کے لیے پُرامن اور اصولی احتجاج کیا تو اس پر اس قدر غم و غصہ کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ جس نے ایک خوفناک طوفان کی صورت اختیار کر لی اور جس کو دبانے کے لیے حکومت کو کرفیو نافذ کرنا پڑا۔

اس سارے واقعہ سے ایک بات جو بڑی شدت سے ابھر کر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کے دونوں بازوؤں میں عموماً اور مشرقی بازو میں خصوصاً ایک ایسا عنصر پوری طرح سے سرگرم عمل ہے جو تشدد اور قتل و غارتگری کے بل پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اس کے نظریۂ اساسی سے ہٹا کر کسی دوسرے نظریے سے ہم آغوش کرنا چاہتا ہے جو صرف انارکی، بے اطمینانی اور تشتت و افتراق کے ماحول میں پرورش پاتا اور پروان چڑھتا ہے اور یا وہ اس کے حصے بخرے کر کے ایک ایسی طاقت کو خوش کرنا چاہتا ہے جس نے آج بائیس برس گزرنے کے باوجود بھی اسے دل سے قبول نہیں کیا۔

یہ بات انتہائی شرمناک ہے کہ ایک ایسے دور میں جب کہ پورا عالم اسلام کس مپرسی اور بے بسی کی زندگی بسر کر رہا ہے، جب کہ احمد آباد میں مسلمانوں کی بہو بیٹیاں ہماری طرف فریادی نظروں سے دیکھ رہی ہیں، جب کہ کشمیر کے مقہور و مجبور مسلمان غلامی کے بوجھ تلے پس رہے ہیں، جب کہ فلسطین اور قبرص میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے اور بیت المقدس میں پوری مسلمان قوم کی غیرت و حمیت کو للکارا جا رہا ہے اور ان کی ردائے عزت و قبائے ناموس کو تار تار کیا جا رہا ہے اور جب کہ افریقہ میں مسلمانی کے جرم میں لاتعداد بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔ ایسے دور میں ہم بجائے اس بات کے کہ ہم اپنے ان مظلوم بھائیوں کی مدد و معاونت کرتے، ان کی دادرسی و فریادرسی کرتے آپس ہی میں الجھے ہوئے اور برسرپیکار ہیں اور بنگالی و غیر بنگالی اور سندھی بلوچی پٹھان اور پنجابی کے ناموں پر ایک دوسرے کی شہ رگیں کاٹنے کی کوششوں میں مشغول اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانے میں مصروف ہیں۔

ہمیں آج اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگر ہم اسی طرح فتنہ انگیزی اور فساد خیزی میں لگے رہے تو خود بھی اس فتنہ کی آگ سے محفوظ نہ رہ سکیں گے بلکہ اس کے شعلے سب سے پہلے جس کے خرمن پر لپکیں گے اور اسے اپنی لپیٹ میں لے کر خاکستر بنا دیں گے وہ خود ہمارا اپنا خرمن ہو گا کیونکہ جو بدبخت یہ سمجھتا ہے کہ (خاکش بدہن) پاکستان کے مٹ جانے کے بعد اس کا اپنا گھروندا محفوظ رہ جائے گا وہ اس دور کا سب سے بڑا احمق اور دیوانہ ہے کیونکہ پاکستان جغرافیائی طور پر کچھ اس طرح سے مخالف قوتوں کے درمیان گھرا ہوا ہے

کہ اس میں ذرا سی تبدیلی اس کے وجود کے لیے از حد خطرناک ثابت ہو سکتی ہے اور اس کی بقا کی ضمانت صرف اور صرف اسی بات میں ہے کہ ہم رنگ و نسل کے بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے اور تمام قسم کے لاتوں اور مناتوں سے منہ موڑتے ہوئے اسی طرح اسلام — کے پرچم تلے اکٹھے ہو جائیں جس طرح کہ پاکستان کے بناتے وقت ہوئے تھے وگرنہ یاد رکھیے کہ ڈھاکہ کے ہولناک فسادات ایک بہت بڑے خطرے کا الارم ہیں۔ اور اگر آج ہم نے مل کر اس خطرے کے دفعیہ اور خاتمہ کی کوشش نہ کی تو کل کو اس کا دبانا اور اس کا مقابلہ کرنا ہم سب کے لیے انتہائی مشکل ہو جائے گا۔

۲۳ر نومبر کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا ہے کہ اگر الیکشن کمیشن نے سندھی ووٹروں کے اندراج کیلئے الگ فارم نہ چھاپے تو ہم انتخابات کا بائیکاٹ کریں گے۔

ہمارے لیے مسٹر بھٹو کا یہ بیان غیر متوقع نہیں ہے کیونکہ جو لوگ مسٹر بھٹو کی مختصر سیاسی زندگی کے گوشوں سے واقف ہیں انہیں معلوم ہی ہے کہ مسٹر بھٹو اقتدار کے کس قدر خواہشمند اور وطن و ملت کے کس قدر بہی خواہ ہیں۔ یہ انتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمیں اس قماش کے لیڈر میسر آئے ہیں جن کے لیے اصول اور ضابطے اور ملکی و ملّی مفادات کوئی حیثیت واہمیت نہیں رکھتے اور وہ اپنی اغراض و نیۃ کی خاطر ہر اس چیز کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں جس کا داؤ پر لگانا ان کے بس میں ہوتا ہے چاہے اس کے نتیجہ میں دیس اور دیس کے باسی تباہی و ہلاکت کے دہانوں پر جا پہنچیں۔

مسٹر بھٹو کل تک تو ون یونٹ کے بارہ میں بھی بڑے محتاط اور دور اندیش تھے اور بارہا کے استفسارات کے جواب میں بھی گول مول بات پر ٹرخانے کی کوشش کیا کرتے تھے کہ " اس سلسلہ میں تمام لوگوں کی رائے معلوم کرنا ضروری ہے اور مرکز کو مضبوط ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ" اور آج وہ سندھی ازم کے نعرے لگا کر اور انتخابات سے قطع تعلقی کی دھمکی دے کر فضا کو اسی طرح مکدر کرنے اور جمہوریت کی منزل کو اسی طرح دور کرنے کی کوششوں میں مشغول ہیں جس طرح وہ — اور ان کے ساتھی — بھاشانی مجیب وغیرہ — ایوب کی آمریت کے خاتمہ کے ایام میں مصروف تھے اور جس کے نتیجہ میں ملک کے حالات اس قدر بگڑ گئے تھے کہ مارشل لاء نافذ کرنا پڑ گیا تھا۔

ہمیں مسٹر بھٹو کی مجبوریوں کا بخوبی علم ہے اور ان کی افتادِ طبع سے بھی ہم باخبر ہیں کہ وہ پاکستانی عوام کی نظروں سے اتنی جلدی گر جانے اور بے وقعت ہو جانے کی بنا پر ان سے انتقام لینے پر تُل گئے ہیں اور ان سے اپنی بے آبروئی کا بدلہ لینا چاہتے ہیں لیکن ہم انہیں اور ان کے حامیوں کو اس بات سے آگاہ کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس آگ کو بھڑکانے کی کوشش نہ کرو جسے سندھ میں آج تک راجہ داہر کے عقیدت مند اور جی ایم سید اور اس کے حامی برسہا برس سے سلگانے کی کوشش میں مصروف ہیں کیونکہ اگر خدانخواستہ ایک مرتبہ یہ آگ بھڑک اٹھی اور سندھی و غیر سندھی اور بلوچی پنجابی اور پٹھان کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تو یہ پاکستان میں بسنے والی ایک قوم اور ایک ملت کے درمیان وہ طوفانِ نفرت و عداوت برپا کر دے گا جس کے نتیجہ میں وطنِ عزیز کی سلامتی خطرہ میں پڑ جائے گی اور یاد رکھو کہ تمہاری لیڈری صرف اسی وقت تک ہے جب تک پاکستان قائم ہے اور اگر پاکستان کی سالمیت اور پاکستان کے وجود پر آنچ آگئی تو تمہاری سوداگری اور شیشہ گری بھی قائم نہ رہ سکے گی۔

اہلِ پنجاب کو اللہ نے اس قدر وسعتِ ظرف سے نوازا ہے کہ انہوں نے اپنے پاکستان کے مختلف گوشوں میں بسنے والے بھائیوں کو کبھی اس لیے اجنبی نہیں جانا کہ وہ ان کے خطہ سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ انہوں نے ہر شخص کو بلا لحاظِ رنگ و نسل اپنے سینوں سے لگایا اور اپنی جبینوں پہ بٹھایا ہے۔ انہی مسٹر بھٹو کو جب سابق صدر ایوب خاں نے وزارت سے چلتا کیا تو یہ اہلِ پنجاب ہی تھے جنہوں نے ان کے تابوت کو گلی گلی کوچہ کوچہ اٹھا کر ان کی "شہادت" کے چرچے کیے اور ان کے لیے "مرثیہ خوانی" اور ماتم کی مجلسیں بپا کیں اور ادھر یہ جب آئے تو تب بھی پنجابیوں نے اپنے دلوں کے دریچے وا کر دیے اور اپنی آنکھیں ان کے استقبال کے لیے فرشِ راہ کر دیں۔ بھاشانی کو قریہ قریہ شہر شہر لیے پھرے اور پھر ان ہی سے گالیاں کھا کے بھی بے مزہ نہ ہوئے اور نہ ہی ان کے کسی لیڈر اور دانشور کے لب پہ یہ بات آئی کہ جب سارے ہی ہماری مخالفت کر رہے ہیں تو ہمیں بھی اپنا جھنڈا بلند کرنا چاہیے بلکہ یہ پوری خاموشی سے ان چرکوں کو سہتے اور ان واروں کو برداشت کرتے رہے اور زبان و رنگ کے علمبرداروں کی نفرت کے باوصف اور اپنے خلاف فتنہ انگیزی کے باوجود انہیں اپنائیت کے جذبات سے نوازتے رہے۔ صرف وطن کی محبت اس کی بقا اور اس کی حفاظت کے پیشِ نظر اور ان بندھنوں کی وجہ سے جو اسلام نے باندھ دیے ہیں

لیکن آج اہل پنجاب بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اگر کوئی سندھی یا بنگالی صرف اپنی قومیت اور زبان کی بنا پر اپنے دوسرے ملکی اور دینی بھائیوں سے نفرت کرتا اور ان کے درمیان عداوت کے بیج بوتا ہے تو ہمیں اس سے کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے اور آئندہ کے لیے اس بات کی روشنی میں اس سے کیا سلوک روا رکھنا چاہیے؟

اب ان ہوتوں کو علم ہو جانا چاہیے جو صرف پنجابیوں کی وسعت ظرفی کی بنا پر ملک گیر شہرت اور لیڈری کا بھرم رکھتے ہیں کہ اگر ان کی تنگ ظرفی اور پست نظری کا یہی عالم رہا تو وہ دن دور نہیں جب ان کی لیڈری اپنے ضلع اور اپنی ڈویژن سے بھی باہر نہیں نکل سکے گی۔

ایوب خان کے دور حکومت کے تحفوں میں سے ایک تحفہ حد سے بڑھی ہوئی گرانی کا ہے۔ اشیائے صرف کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور غریبوں کے لیے زندگی کے دن پورے کرنے دوبھر اور مشکل ہو رہے ہیں ایسے میں اگر مزدوروں اور کم آمدن والے لوگوں میں بے چینی اور بے کلی پیدا ہوتی ہے تو ایک قدرتی امر ہے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ مہنگائی کے خلاف سراپا احتجاج بنے ہوئے مزدور ایوب خانی دور کے آخری دنوں میں بازاروں اور سڑکوں پر نکل آئے اس پر سابق حکومت نے روز افزوں مہنگائی کا تو کوئی مؤثر علاج نہ کیا البتہ مزدوروں کی اشک شوئی کے لیے ان کی تنخواہوں میں ضرور کچھ اضافہ کر دیا لیکن چند ہی دنوں بعد اس کا نتیجہ سامنے آ گیا کہ ادھر تنخواہیں بڑھیں ادھر روزمرہ کے استعمال کی چیزیں اور تیزی سے گراں تر ہو گئیں۔ ملک میں مارشل لا لگنے کے بعد نئی حکومت کو پرانی حکومت سے جو چیزیں ورثہ میں ملیں ان میں ایک گرانی بھی تھی موجودہ حکومت نے اپنے ہاں اس کے حل کے کچھ علاج بھی سوچے لیکن وہ ہنوز غیر مؤثر ہیں اور اس پریشان کن صورت حالات سے نبٹنے میں کامیاب ثابت نہیں ہوئے بلکہ پچھلے چند روز سے مختلف صنعتی اداروں میں آجروں اور اجیروں کی آویزش نے تو لیبر پالیسی کی ناکامی کا گویا بلند آواز سے اظہار بھی کر دیا ہے اگرچہ مغربی پاکستان کے گورنر نے ان مسائل کو نبٹانے کے لیے جو مزدوروں اور کارخانہ داروں کے درمیان چپقلش سے پیدا ہوئے ایک لیبر مشاورتی کونسل بھی قائم کر دی ہے تاہم سکون و اطمینان کی وہ فضا پیدا نہیں ہو سکی جس کے آجر اور اجیر خواہش مند ہیں اور جو کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے انتہائی ناگزیر اور ضروری ہے اور ہمارے نزدیک یہ فضا اس وقت تک پیدا بھی نہیں ہو سکتی جب تک کہ آجر اور اجیر دونوں کو تحفظات نہ دیے جائیں

اور ان کے درمیان تعاون و اعتماد کے جذبات پیدا نہ کیے جائیں کیونکہ جب تک صنعتکار کو اجیر پر اعتماد نہ ہو کہ وہ اس کی صنعت وحرفت کے فروغ و ترقی کے لیے کوشش کرے گا وہ اس وقت تک صنعت میں سرمایہ لگانے ـــــــ اور اس پر کشادہ دلی سے خرچ کرنے پر تیار نہیں ہو سکتا دوسری طرف مزدور اس وقت تک کام میں محنت اور صنعت کے فروغ میں دلچسپی اور جفاکشی سے کام نہیں کرے گا جب تک اسے صنعتکار پر یہ بھروسہ نہ ہو کہ وہ اسے اس کی محنت کا پورا پورا ثمرہ دے گا اور اس ثمرہ سے وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی خاطر خواہ خبر گیری کر سکے گا اور کشاکش حیات میں صرف اس کی مفلسی اور قلاشی کی بنا پر اس کا گھرانہ اور اس کے بچے آفات ومصائب زمانہ کا شکار ہو کر نہیں رہ جائیں گے، جب تک مزدور کو اس بات کا یقین نہیں دلایا جائے گا تب تک وہ کبھی بھی آجر کے لیے اخلاص وہمدردی کے جذبات اپنے اندر پروان نہیں چڑھا سکتا اور نہ ہی اسے اپنے کارخانہ دار کے کارخانہ کی ترقی اور اس کی مصنوعات کے فروغ سے کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے۔

اس بارہ میں ہماری تجاویز یہ ہیں اولاً موجودہ حکومت کو سب سے زیادہ توجہ اس بات کی طرف دینی چاہیے کہ اشیاء صرف کی قیمتوں میں جو غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے ان کو کم کیا جائے ملک میں اناج انتہائی ارزاں نرخوں پر فراہم کیا جائے چاہیے اس کے لیے حکومت اپنی طرف سے کچھ حصہ ڈالے یا ملک کے سرمایہ داروں کے تعاون سے کم قیمت پر فراہم کرے۔

ثانیاً ہر شخص کو مفت تعلیم مہیا کی جائے تاکہ کم آمدن والے اور مزدور طبقہ کے لوگوں سے یہ احساس محرومی ختم کیا جا سکے کہ ان کے بچے اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے کے باوجود صرف ان کی غربت اور ان کے افلاس کی بنا پر تعلیم حاصل نہیں کر سکتے وگرنہ یہ بھی کسی دن ملک کے بلند مناصب پر فائز ہوتے۔

ثالثاً پاکستان کے ہر غریب شہری کو مفت علاج فراہم کیا جائے کیوں کہ غریب طبقوں میں بیماریاں اس قدر کثرت سے جنم لیتی ہیں کہ وہ بے چارے ان کے مداوا کے لیے اپنے اندر کوئی ہمت نہیں پاتے اور پھر موجودہ دور میں علاج اس قدر گراں اور معالج اس قدر سنگ دل ہیں کہ اچھا کھاتا پیتا آدمی ان کی تاب مقاومت نہیں لا سکتا۔

رابعاً: کارخانہ داروں کے دلوں سے اس بات کو نکالا جائے کہ مزدور ان کے غلام یا زرخرید ہیں یا یہ کہ وہ اپنے سینوں میں دھڑکتا ہوا دل اور اپنے دلوں میں جذبات واحساسات نہیں رکھتے بلکہ انہیں یہ

سمجھنا چاہیے کہ یہ بھی ہمارے بھائی اور ہماری طرح کے حساس اور ذی شعور انسان ہیں اور ان کی بھی حاجات اور ضروریات ہیں اور انسان کی انسانیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے بھائی کی ضروریات کا پاس اور اس کے جذبات کا لحاظ رکھے کیونکہ عموماً آجر و اجیر کے تعلقات کو آجر کا متکبرانہ انداز اور اس کی مغرورانہ روش ہی کشیدہ کرتی ہے۔ اس سے نفرت کے لاوے پھوٹتے اور عداوت کے آتش فشاں پھٹتے ہیں۔

خامساً: مزدور اور محنت کش کے لیے اس کی محنت اور کاوش کے تناسب سے ترقی کے مواقع فراہم کیے جائیں چاہے وہ تنخواہوں میں اضافہ کی صورت میں ہوں اور چاہے منفعت میں شرکت کی صورت میں۔ (اور یہ دونوں طریقے اسلامی تعلیمات میں موجود ہیں۔ جن پر کبھی ہم تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

سادساً: مزدور کو یہ بات ذہن نشین کروائی جائے کہ صنعت کے فروغ اور ترقی سے خود تمہاری ترقی اور خوشحالی وابستہ ہے۔ اگر صنعتکار مطمئن ہو گا تو اپنی صنعت میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگائے گا اور اس کے پھیلاؤ کے لیے اور زیادہ کوشش و کاوش کرے گا جس کے نتیجہ میں لازمی طور پر تمہیں اور تمہارے دوسرے کام کرنے والے بھائیوں کو زیادہ فائدہ پہنچے گا اور پھر اس سرمایہ کی گردش سے پورا ملک اور پوری قوم بہرہ ور ہو گی۔

آخر میں ہم یہ گذارش کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس سلسلہ میں جو لوگ راہبری اور راہنمائی کے لیے مشرق یا مغرب کی طرف دیکھتے ہیں وہ انتہائی غلطی پر ہیں کیونکہ مغرب کا سرمایہ دار نظام اپنا سارا زور سرمایہ دار کے تحفظ اور مزدور کی بیخ کنی پر صرف کرتا ہے کہ سرمایہ دار جس طرح چاہے مزدور کی توانائیوں اور قوتوں کا استحصال کر کے، اپنی دولت میں اضافہ کر سکتا ہے اور مزدور کے بارہ میں اس پر کوئی اخلاقی قدغن عائد نہیں ہوتی۔ دوسری طرف اشتراکی نظام سرمایہ دار کا تو خاتمہ کر کے رکھ دیتا ہے لیکن مزدور کو کچھ دینے پر راضی نہیں ہوتا بلکہ مزدور کی پریشانیوں میں دوچند اضافہ ہی کرتا ہے کمی نہیں کرتا[1]

اس سلسلہ میں ہم پورے اعتماد اور وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ مزدوروں اور آجروں کے حقوق کی نگہداشت اگر پوری دنیا میں کوئی ضابطہ اور قانون کرتا ہے تو صرف اور صرف اسلام کا نظام اور قانون ہی کرتا ہے۔

---

[1] اس سلسلہ میں ایک مستقل مضمون اسی شمارہ میں کسی دوسری جگہ ملاحظہ فرماویں۔

کہ نہ تو وہ کارخانہ دار کے کارخانہ کو غصب و نہب کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی وہ مزدور کے استیصال اور اس کے اقتداء سے غلط فائدہ اٹھانے کی اجازت بخشتا ہے بلکہ وہ آجر واجیر کے درمیان تعاون واعتماد کی وہ کیفیات پیدا کر دیتا ہے جس سے کسی کو دوسرے پر حرف گیری کا موقع ہی نہیں ملتا، وہ آجر کو حکم دیتا ہے کہ مزدور سے اس کی وسعت وطاقت سے زیادہ کام مت لو کہ آخر وہ بھی تمہاری طرح کا انسان اور تمہاری برادری کا ایک رکن ہے۔ وہ مزدور سے نفرت وحقارت کا نہیں بلکہ محبت ومساوات کا درس دیتا ہے۔

"تمہارے کام کرنے والے تمہارے بھائی ہیں۔ان سے بھائیوں ایسا سلوک کرو"

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بھائیوں ایسا سلوک کرنے سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا:

"جو خود کھاؤ انہیں کھلاؤ، جس طرح کا خود پہنو، اسی طرح کا انہیں پہناؤ"

اور تاریخ اسلام میں یہ واقعہ کتنا مشہور ہے کہ:

"ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے خادم کو لیکر بازار میں کپڑا خریدنے کے لیے گئے۔ خادم سے کپڑا پسند کرنے کو کہا۔ اس نے ایک عمدہ کپڑا پسند کیا، اسے خرید لیا اور پھر خود اس سے نسبتاً کمتر کپڑا خرید کیا اور درزی کو۔۔۔۔ آکر اعلیٰ کپڑے سے خادم کی پوشاک اور ہلکے کپڑے سے اپنا لباس سینے کا حکم دیا اور جب خادم نے تعجب وحیرت سے استفسار کیا تو فرمانے لگے۔ ساتھی! تم جوان ہو اور میں بوڑھا، اچھا لباس جوان جسم کو بھلا لگتا ہے"

اور رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور مسلمانوں کے امیر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ بات اوراق تاریخ سے کون محو کر سکتا ہے کہ:

"اگر آپ کو کبھی سفر درپیش آجاتا تو دوران سفر نصف راستہ خود سوار ہو کر چلتے اور نصف خادم کو سوار کر کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر طے کرتے"

اجرتوں کا تعین

اپنی کاروباری مجبوریوں کی بنا پر باوقار معاوضہ لینے سے قاصر ہو تو اسلامی حکومت کا بیت المال خود مزدوروں کی پشت پناہی کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ مزدوروں کو آجروں کے لیے بھلائی اور خیرخواہی کے جذبات رکھنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ ان کے درمیان باہمی تعاون اور اخوت کا رشتہ قائم ہو اور کشمکش وتصادم کے دروازے بند ہوں